

علوم حدیث میں مہارت ایک بڑی علمی ضرورت!

عبدالسلام

مختص فی الحدیث، جامعہ فاروقیہ کراچی

علم حدیث سے بے توجہی برتنے کے اسباب: اکثر و بیشتر طلبہ برادری میں جب کسی کو علوم حدیث کی طرف متوجہ کیا جاتا ہے، اس میں خصوصیت کے ساتھ لگنے کی رائے دی جاتی ہے تو سامنے سے بے التفاتی کا مظاہرہ کیا جاتا ہے، بیسیوں تو اپنی جہالت و کاہلی پر پردہ ڈالنے کے لیے یوں جھٹ بازی کرنے لگتے ہیں:

”اس زمانہ میں علوم حدیث پڑھنے کی کوئی ضرورت نہیں، تمام احادیث کتابوں میں مدون ہو چکی ہیں، صحیح اور غیر صحیح ممتاز کر دی گئیں ہیں، راوی پر جو کلام ہوا ہے وہ کتابوں میں مذکور ہے، مجروح و غیر مجروح رجال کی شناخت ہو چکی ہے۔“

گویا قاعدہ علوم حدیث پڑھنے لگ جانا ایک طرح کا محدث و مجتہد بننے کے مترادف خیال کرتے ہیں، ان کو معلوم نہیں کہ یہ پیغام و دعوت ائمہ فن کی اتباع سے نکلنے کی نہیں اپنی جہالت مٹانے کی ہے۔

پھر دنیا میں کوئی فن ایسا نہیں جس میں کتابوں پر کتابیں اور دفتر کے دفتر نہ لکھے گئے ہوں، تدوین سے لے کر تکمیل تک اور ابتداء سے لے کر عروج و ترقی کی چوٹیوں کو سر کرنے تک کی تاریخ مرتب نہ ہو، اس کے منظر و پس منظر پر ارباب قلم نے خامہ فرسائی نہ کی ہو، صرف و نحو کی کوئی سی جزی ایسی ہے جو کتاب میں موجود نہیں؟ ایک ایک حرف و کلمہ کے ساقط ہونے اور واپس ہونے کی علت و وجہ اصول و قواعد، غرض یہ کہ کوئی لازم و متعلق اور کوئی نکتہ ایسا نہیں جو کتاب میں موجود نہ ہو!

ذرا علم فقہ کی سرزمین پر نظر دوڑائیں! کہیں تصانیف کے لمبے چوڑے باغات نظر آئیں گے جن کے ایک ایک درخت میں ہزاروں پتے ہوں، تو کہیں ایسا چمنستان بھی نظر آئے گا جس کی دلربا خوشبو سے کبھی ہم محظوظ نہیں ہوئے ہونگے اور جس کے خوش منظر و خوب صورت پھولوں کے ناموں سے ہمارا حافظہ لاعلمی کا اظہار کرے گا! خاموش اور دھیمی دھیمی رفتار سے بہنے والے چشموں کا ایک طویل سلسلہ بھی سامنے آئے گا جس کے گھاٹ خالی اور ویران ہوں گے: جو اپنے سرگرداں اور پیاسے عاشقوں کی پیاس بجھانے کے منتظر ہوں گے (۲۹)۔

سوال یہ ہے کہ جب ”علم فقہ“ میں اتنی کتب موجود ہیں جن کے نام لیتے لیتے آدمی تھک جاتا ہے، پھر کیوں اس کو پڑھا جاتا ہے اور اس میں خصوصیت پیدا کی جاتی ہے؟ حالانکہ ہماری پیدائش فقہ میں ہوئی ہے، اسی میں پل رہے ہیں، لیکن کسی سے حرف، غلط کی طرح نہیں سنا گیا کہ ”علم فقہ“ پڑھنے پر ہمارے لیے کوئی ضرورت نہیں (۳۰)۔

ایک بڑی خوش فہمی: ہم اس خوش فہمی کے شکار ہیں کہ علماء نے ”علوم حدیث“ کو صاف تھرا کر کے پوری وضاحت کے ساتھ کتابوں میں جمع کر دیا ہے، اور ایک ایک حدیث اور راوی حدیث کو نقد و تحیص کی کسوٹی پر پرکھ کر صحیح اور غیر صحیح میں حد فاصل قائم کر دی ہے، لہذا جب بھی ہم کسی حدیث کو بیان کرتا، یا اس سے استدلال کرنا چاہیں گے (چاہے کسی بھی موضوع کے متعلق ہو) تو کتاب کھول کر دیکھیں گے۔ چنانچہ اس حدیث کے حکم، صحت، حسن اور ضعف کے اعتبار سے اس کے درجے، اس سے مستنبط شدہ مسائل و احکام اور فوائد و آداب کے متعلق ایک منفعہ و واضح اور ایک عام فہم و فیصلہ کن قول ملے گا۔

اب کیا ضرورت ہے ہر حدیث و راوی حدیث کی چھان پھنک کرنے اور گھر بار چھوڑ کر ”اہل فن“ کی خدمت میں پڑے رہنے کی؟! اسی طرح موضوع روایات کی اپنی کتابیں ہیں، شاذ و معطل احادیث کی کتابیں الگ ہیں اور یہی حال ہے ”فن اسماء الرجال“ اور ”فن جرح و تعدیل“ کا۔ لیکن یاد رکھنا یہ خوش فہمی نہیں بلکہ ایسی فاسد و خطرناک غلط فہمی ہے جس نے علم کے سوتوں کو خشک کر دیا ہے! ”علوم حدیث“ کسی ایک فن کا نام نہیں بلکہ (جیسا کہ میں پہلے بھی تحریر کر چکا ہوں) حافظ ابن الصلاح کے قول کے مطابق پندرہ فنون کا مجموعہ ہے، ان فنون پر لکھی گئی کتابیں ہزاروں سے تجاوز ہیں، جن میں ایک کتاب بھی آپ کو ایسی نہیں ملے گی جس میں مذکورہ تمام چیزوں کے بارے میں حتمی فیصلہ موجود ہو۔

شیخ ناصر الدین البانی ایک مغالطہ!!: بعض کو تاہ نظر اور ظاہر بین لوگ جو کتابیں جمع کر لینے یا عربی جاننے کو ہی علم سے تعبیر کرتے ہیں، مذکورہ سوال کے جواب میں ناصر الدین البانی کا نام لیتے ہیں، جنہوں نے حدیث اور علوم حدیث پر ضخیم کام کیا ہے اور منفرد مزاج رکھنے کے باعث ایسے فیصلے صادر کر چکے ہیں جو صدیوں سے معمہ بنے ہوئے تھے، چنانچہ انہوں نے احادیث کے بیچ میں صحیح اور غیر صحیح کے عنوان سے نئی حد بندی کر دی، منطق، فلسفہ اور سائنس میں نئی دریافت مہارت کی دلیل ہو سکتی ہے اور اسکو مثبت پیش رفت خیال کیا جاتا ہے، مگر یاد رہے! حدیث کا علم صرف اور صرف ماضی سے تعلق رکھتا ہے، گزری ہوئی امت کے مسئلہ ائمہ فن کو سمجھنے کی صلاحیت پیدا ہو جانا ہی یہاں کمال شمار ہوتا ہے، نئی حد بندیاں اور دریافتیں قبولیت کی سند نہیں پاتیں۔

ناصر الدین البانی صاحب نے ”سلسلہ الا احادیث الصحیح“ کا عنوان قائم کر کے اپنے زعم کے مطابق احادیث صحیحہ کو اس میں جمع کیا ہے، جو کئی ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے، اسی طرح ”سلسلہ الا احادیث الضعیفہ“ کا مجموعہ بزم خویش تیار کیا ہے، یہ سلسلہ بھی کئی ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے، لیکن یہ بات ہمیشہ کے لیے ملحوظ خاطر رہے کہ کسی کتاب کی ضخامت، اس کے ساحرانہ نام اور بڑے بڑے عنوانات سے متاثر ہو کر کبھی بھی دھوکہ نہیں کھانا چاہیے، بلکہ ذرا آنکھیں کھول کر دائیں بائیں بھی دیکھ لینا چاہیے، البانی صاحب کے مذکورہ سلسلے اور دیگر تحریجات کو دیکھ کر بہت سارے اہل علم بھی متاثر ہو جاتے ہیں؛ کیونکہ ایک غریب آدمی و دہمتندی کے بارے میں صحیح تصور نہیں کر سکتا۔ ان لوگوں کو خود بخود جرات حدیث و رجال سے واسطہ نہیں پڑا ہوتا اور نہ ہی ان مآخذ تک پہنچ پاتے ہیں جہاں سے البانی صاحب نقل کیا کرتے ہیں، ورنہ ان کو معلوم ہو جاتا کہ معرفت حدیث اور چیز ہے اور فرہست سازی اور!

البانی صاحب ایک جگہ ایک حدیث کو صحیح کہتے ہیں تو دوسری جگہ اسی حدیث کو ضعیف قرار دیتے ہیں، شیخ حسن بن علی القاف نے اپنی کتاب ”تناقضات الألبانی الواضحات فیما لہ فی تصحیح الأحادیث و تضعیفها من اخطاء و غلطات“ میں اڑھائی سو سے زیادہ ایسی احادیث ذکر کی ہیں جنکو ایک جگہ میں البانی صاحب نے صحیح کہا ہے تو دوسری جگہ ضعیف قرار دیا ہے۔

اسی طرح محمود سعید ممدوح نے البانی صاحب کی کاوشوں کی تردید میں ”التعریف بأوهام من قسم السنن إلى صحيح و ضعیف“ (جسکی صرف چھ جلدیں منظر عام پر آچکی ہیں) لکھ کر ان کے اوہام اور خیالات و افکار پر شاوہ کو خوب عیاں کر دیا۔ البانی صاحب کے تناقضات اور کتب سے نقل کرنے میں حذف و تغیر اور قطع و برید کا سلسلہ نہایت طویل ہے، شاید محققین کی کڑی گرفت ہی کو دیکھ کر ان کے متعلقین کو خیال آیا تو انہوں نے ”تراجع العلامة الألبانی فیما نصّ علیہ تصحیحاً و تضعیفاً“ کے نام سے ایک کتاب مرتب کر ڈالی، جس میں ان اوہام کو جمع کیا گیا جس کے بارے میں البانی صاحب کے فیصلے، خام خیالی اور محض قیاس آرائی کے شکار ہوئے تھے اور یہ بات ان کو بھی یک گونہ تسلیم تھی مگر اس کا نام انہوں نے ”تراجع العلامة الألبانی فیما نصّ علیہ تصحیحاً و تضعیفاً“ رکھ کر یہ تاثر دیا، بلکہ مقدمہ میں وضاحت بھی کر دی کہ کوئی بھی صاحب فن رجوع کر لیتا ہے! لیکن وہ بھول گئے کہ یہ ایک دو یا دس پندرہ کی بات نہیں یہ تو سینکڑوں سے متجاوز ہیں، یہ مہارت کی علامت نہیں بلکہ جہالت کی دلیل ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جس نے بھی تحقیق کے میدان میں قدم رکھ کر اصول کی پابندی کرتے ہوئے علمی کام کیا وہ چاہے غیر مسلم اور کام ایک صفحہ کیوں نہ ہو اس کو برسرِ چشم قبول کیا گیا؛ مگر اصول کو توڑتے ہوئے جس نے حدودِ انصاف کو پھلانگا اور جمہور کے دائرے سے نکل کر وحدت، تفرق اور شذوذ کا راستہ اختیار کر لیا، اس نے چاہے ایک بڑا کتب خانہ کیوں نہ لکھ ڈالا ہو تو اس کو نظر انداز کر دیا گیا اور تحقیق کی دنیا میں اس کو سند کا مقام حاصل نہ ہوا، جاہلوں کی دنیا میں نام و شہرت پانا کب کسی کے کمال کو بتاتا ہے؟!

البانی صاحب صرف ایک مفسر آدمی ہیں، یہی ان کا کارنامہ ہے، انہوں نے ”سنن اربعہ“ کو دو ٹکڑے کر کے ایک خطرناک بدعت کا ارتکاب کیا، جس نے ہر کس و ناکس کو متقدمین کی کتابوں کے ساتھ کھیلنے اور ان کا حلیہ بگاڑنے کا راستہ دکھایا۔ جو لوگ نئے عرب محققین بالخصوص سعودیین کی ایڈٹ کردہ کتابوں پر نظر رکھتے ہیں وہ بخوبی جانتے ہیں کہ یہ البانیت کس طرح ان مغرب زدہ جاہلوں میں عام ہوتی جا رہی ہے، کسی حدیث و سند پر کلام کرنے کے لئے آخری حوالہ صرف اور صرف البانی کا سمجھا جاتا ہے، محدثین کی دنیا میں بھی یہ مقام شیخین کے علاوہ کسی کو حاصل نہ تھا! باقی امت تو رہی الگ، البانی صاحب کی کتابوں اور تحریجات سے بطور فہرست استفادہ کرنا دوسری بات ہے۔

مولائے کریمؐ کی عجیب کرشمہ سازی ہے جو لوگ نفس و خواہش کے مطیع بن کر حق سے منہ موڑنا چاہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ بھی ان کو ﴿نطیع علی قلوبہم فہم لا یفقیہون﴾ کا مصداق بنا کر چھوڑ دیتے ہیں، بت پرستوں نے اپنے خالق حقیقی کے

سامنے سر جھکانے سے انکار کیا تو رب کائنات نے ان کو ان کے ہاتھ کی بنائی ہوئی مورتیوں کے سامنے جھکا دیا!
ہمارے غیر مقلدین بھائیوں کو نجانے کیا سوچھی خیر القرون کی پیروی کرنے کو ٹھکرا دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسے لوگوں کے
پیچھے ہٹایا جو خود نہیں جانتے تھے کہ وہ کس طرف کو نکلتے جا رہے ہیں: آسمان سے گرا کھجور میں انکا
عربوں اور پختونوں کا قول ہے

فَرَّ مِنَ الْمَطَرِ ، وَ قَامَ تَحْتَ الْعِزَابِ !

بارش سے بھاگنا چاہتا تھا پر نالے کے نیچے رات آگئی!

أَعَاذَنَا اللَّهُ مِنْ شَرِّ هَذِهِ الْفِتْنَةِ الدَّهْمَاءِ الْعَمِيَاءِ

کتب حدیث کی نوعیتیں: حدیث اور ”علوم حدیث“ کا ذخیرہ کتابوں میں تو آگیا مگر پھر بھی طریقہ اور
کیفیت تصنیف کے اعتبار سے کم و بیش چالیس قسموں پر مشتمل ہے، جن میں صحیح و غیر صحیح دونوں قسم کی احادیث پائی
جاتی ہیں سوائے چند ایک کے، جب تک ان کے مصنفین کی اصطلاحات، قواعد و اصول، اسلوب و انداز، کتاب کا
موضوع اور تصنیف کی کیفیت و طریقہ کار کا بخوبی علم نہ ہو تب تک ان سے استفادہ نہیں کر سکتے، ہر ایک کتاب کی
الگ نوعیت ہے۔ (۳۱)

امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل الترمذی ۲۵۶ھ اپنی ”صحیح“ میں بسا اوقات ایک حدیث دسیوں مرتبہ لاتے ہیں۔
امام ابن الجراح القشیری الترمذی ۲۶۱ھ اپنی ”صحیح“ میں بہت دفعہ صرف سند ذکر کرتے ہیں متن نہیں لاتے۔
علامہ نووی الترمذی ۶۷۶ھ ”مسلم شریف“ کی احادیث کی تشریح کرتے ہوئے گاہے گاہے فرماتے ہیں:

هذا سند البصريين ، يا هذا سند أهل الكوفة ، يا هذا فما انفرد به أهل المدينة

اسی طرح اور لطائف ذکر کرتے ہیں۔ ذرا غور کرنا چاہیے کہ ان حضرات کا مقصد کیا ہے؟ کیسا سمجھنا چاہتے
ہیں؟ امام محمد بن عیسیٰ الترمذی ۲۷۹ھ اپنی ”سنن“ میں حدیث کے آخر میں ”قال أبو عیسیٰ“ اور ”وفي الباب
“ کے عنوان سے، امام سلیمان بن الأشعث البجستانی الترمذی ۲۷۵ھ اپنی ”سنن“ میں کبھی کبھار حدیث کے آخر میں
”قال ابو داود“ کے عنوان سے کچھ کلام کرتے ہیں۔ ان اقوال کو روایت کے قوانین اور ائمہ محدثین کی اصطلاحات
کی روشنی میں سمجھنا ”اصول حدیث“ ہی پر موقوف ہے، صرف ترجمہ کرنے میں کون سی مشکل ہے؟ وہ تو نچلے
درجات کا طالب علم بھی کر لے گا (۳۲)۔

زبوں حالی! یہ علوم پہلے لوگوں کے سینوں میں محفوظ تھے، پھر جوں جوں زمانہ گزرتا گیا، عالم اسباب میں
تغییرات آتے گئے، حالات نے پلٹا کھایا؛ ہوانے رخ پھیرا، دھیرے دھیرے علوم بھی سینوں سے کتابوں کے
طویل و عریض صحراؤں اور میدانوں کی طرف نقل مکانی کرنے لگے، قدر شناسوں نے بڑے زور و شور سے استقبال
کیا؛ لیکن وہاں ”علوم حدیث“ کو پہلے جیسے پڑوسی نہیں ملے۔ وعدہ نبھانے میں غفلت برتی گئی، بے وفائی اور بے

تو جہی کے آثار نظر آنے شروع ہو گئے، حزاں سے ان علوم کی بہاروں کو بہت میزگی و تندہی کے ساتھ پلٹ میں لیا، ”تاتار“ کی طوفانی ہواؤں نے بہت سارے دبستاں اجاڑ دیئے، ان کے پودے اکھاڑ کر دریا برد کر دیئے اور ماضی کا حصہ بن کر ایک ناقابل فراموش داستان بن گئے! اب ان کے آثار باقی ہیں نہ کوئی نشانی!!

یہ صرف ایک داستان نہیں بلکہ یہ تو زنجیر کی ایک کڑی ہے، وہ بھی ایک دور تھا جب یہ سارے علوم سورۃ فاتحہ کی طرح نوک زبان تھے اب تو یہ لائبریریوں، مکتبوں اور کتب خانوں کی زینت بنے ہوئے ہیں! ہم کو بلا جھجک کہتے ہیں کہ ہمارے اسلاف نے بڑے کارنامے سرانجام دیئے، وہ ہمارے لیے مشعل راہ تھے؛ انہوں نے اتنی علمی تیراث چھوڑی جس سے غیر بھی مستغنی نہیں؛ لیکن کیا یہ بھی معلوم ہے کہ انہوں نے کیا کیا چھوڑا؟ وہ ساری میراث ہمارے پاس محفوظ ہے؟ کسی ظالم نے جھینی تو نہیں؟ کتابوں کی ایک لمبی لائن پر نظر ڈال کر ہم نہیں جانتے کہ ہمارے آباء و اجداد کی یادگاریں کونسی ہیں؟ اور کیسے معلوم ہوگا جبکہ ہم نفس کتاب پڑھتے ہیں شخصیات پڑھتے ہی نہیں کہ یہ کون لوگ ہیں؟ کہاں کے باسی تھے؟ پچھڑ کر رہ گیا ہے کارواں اپنے رہبر سے

لیکن کیا یہ زمانہ یونہی گزرے گا؟ خواب غفلت سے آنکھیں کھلیں گی نہیں؟ ظلمت کی راتیں کٹیں گی نہیں؟ کیوں نہیں، کیوں نہیں!؟

آثار سحر کے پیدا ہیں اب رات کا جادو ٹوٹ چکا

ظلمت کے بھیا نک ہاتھوں سے تنویر کا دامن چھوٹ چکا

نوید سحر! اس کمزوری کا شدت سے احساس کرتے ہوئے علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ کے علوم کے وارث و ناشر علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ نے ۱۳۸۳ھ (۱۹۶۳ء) میں حدیث اور علوم حدیث میں گہری معرفت و بصیرت پیدا کرنے کیلئے ”تخصص فی علوم الحدیث النبوی الشریف“ کے نام سے الگ شعبے کا اجراء کیا، جو بھلا اللہ اب تک قائم ہے، اس کے بعد جامعہ مظاہر علوم سہارنپور میں اس شعبے کا افتتاح کیا گیا، اسی کے ساتھ دارالعلوم دیوبند میں بھی اسکا اجراء کیا گیا، یہی احساس لینے صدروفائق المدارس العربیہ پاکستان، شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان مدظلہ العالی نے بھی ۱۴۲۵ھ میں اس کا باقاعدہ آغاز کیا۔ اگرچہ جامعہ کے پروگرام میں پہلے سے اس کا عنوان شامل تھا، الحمد للہ اب یہ سلسلہ پورے آب و تاب کیساتھ جاری ہے۔

علوم حدیث کی باقاعدہ تربیت کی ضرورت و اہمیت: چنانچہ اب مواقع فراہم ہونے کے بعد عملاً اس طرف متوجہ ہونے کی بھی ضرورت ہے؛ کیونکہ یہ خیال کر لینا کہ جب ضرورت پڑے تو مطالعہ کر کے اپنا مطلوب نکال لیں گے، صحیح نہیں۔

جب صرف دُعا اور منطق جیسے عام و مشہور فنون سمجھنے کے لئے کسی ماہر استاد کے سامنے بیٹھنا ضروری ہے تو وہ علوم جن کو دورِ حاضر کی علمی دنیا میں اجنبی آنکھوں سے دیکھا جاتا ہے وہ کیسے استاد کے سامنے زانوئے تلمذ طے کئے

یہ خیال است و محال است وجوہ! یاد رہے! جن لوگوں نے علوم حدیث سمجھنے میں فقط اپنے مطالعے پر اکتفا کیا ہے وہ ضلالت و گمراہی کی اس اتھاہ اور گہری کھائی میں جا پڑے ہیں جس سے نکلنے کا تصور بھی نہیں۔ علامہ شاطبیؒ اپنی کتاب الموافقات کے بارہویں مقدمہ میں رقمطراز ہیں:

”علم ہمیشہ اس علم کے محقق سے حاصل کرنا چاہیئے جس کو مہارت تامہ حاصل ہو، اس علم کے اصول و ضوابط جانتا ہو، مقصود کی تعبیر پر قادر ہو، عق، گہرائی اور رسوخ کے ساتھ ساتھ اس علم اور ان اصول پر وارد شدہ شبہات و اعتراضات کی تردید اور تسلی بخش جوابات دینے کی اہلیت رکھتا ہو۔ راسخ العلم کی بڑی علامت یہ ہے کہ اس نے علم شیوخ کی زیر نگرانی اور ان کی تربیت میں رہ کر حاصل کیا ہوتا کہ ان کے فیض صحبت سے رسوخ علم بھی حاصل ہو جائے۔ صحبت اور ملازمت شیخ کو رسوخ علم میں بڑا دخل ہے۔ سب سے پہلے صحابہ کرامؓ نے نبی کریم ﷺ کی صحبت بابرکت اختیار فرمائی اور آپ ﷺ کے اقوال و افعال کو اپنایا حتیٰ کہ انہوں نے سمجھ لیا اور یقین کر لیا کہ وحی الہی ایسا حق ہے جس میں کوئی معارضہ نہیں اور ایسی حکمت ہے جس کا قانون ناقابل شکست و ریخت ہے، اس کے دائرہ کمال میں کہیں نقص کا گز نہیں؛ یہی وجہ ہے کہ ان میں ایک ﴿قل هو اللہ﴾ پڑھنے والا صحابی جس خوبی اور چنگی سے توحید اسلام سمجھا ہوا تھا آج تیس ساروں کا حافظ اس کا عشر عشر سمجھا ہوا نہیں۔“ (۳۳)

تمام لوگوں نے واقعاتی طور پر معلم کی ضرورت پر اتفاق کیا اور معلم کی ضرورت کا عام دستور ہی اس بات کی کافی شہادت ہے کہ اس کے بغیر چارہ کار نہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں: میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

”إن الله لا يقبض العلم انتزاعاً ينتزعه من الناس ولكن يقبض العلم بقبض

العلماء۔“ (۳۴)، ”پیشک اللہ ﷻ علم کو لوگوں (کے سینوں) سے کھینچ کر نہیں سمیٹے گا، بلکہ علماء کو وفات دیکر علم کو سمیٹے گا۔“

کتابوں میں جو لکھا ہوا ہمیں نظر آتا ہے یہ سارا علم نہیں، بلکہ اس کے نقوش و تصاویر ہیں، جب تک مکمل رہنمائی ساتھ نہ ہو تو یہ مفید نہیں، مشہور ہے:

كان العلم في صدور الرجال ثم انتقل إلى الكتب ومفاتيحه بأيدي الرجال.

یعنی: علم آدمیوں کے سینوں میں تھا پھر وہ کتابوں میں منتقل ہو گیا، پھر بھی اسکی چابیاں

آدمیوں ہی کے ہاتھوں میں ہوتی ہیں۔

گویا محض کتابوں سے طالب علم کو کچھ حاصل نہیں ہوتا؛ جب تک اہل علم اس کو کھول کر نہ دکھائے، اور یہی کچھ دیکھنے میں آتا ہے۔

علم کی برکتیں معلم سے حاصل ہوتی ہیں: لفاظ میں اشتراک و تواف، حقیقت و مجاز اور عموم و خصوص کے احتمالات پھیلنے چلے جاتے ہیں؛ اس لیے محض لفظوں کی لوٹ پلٹ سے یقین تک رسائی نہیں ہوئی، محقق معلم ایک نکھری نکھرائی مراد معلم کو بتا دیتا ہے پھر یہ کچھ قدرتی انتظام بھی ہے کہ ایک جماعت تشنہ لب دست حاجت دراز کئے ہوئے تحصیل علم کیلئے آتی ہے تو اس اجتماع میں کچھ عجیب برکت پیدا ہو جاتی ہے۔ یعنی معلم میں افادہ اور معلم میں وہی طور پر قوت استفادہ کچھ اس طرح رونما ہو جاتی ہے کہ علوم جس انداز سے کھلتے ہیں صرف اپنے مطالعے سے نہیں کھلتے۔ آخر یہ کیا بات تھی کہ صحابہ کرام نے نبی کریم ﷺ کے دفن کے بعد ہی قلوب میں ایک تغیر محسوس کیا تھا؟! حضرت غظلہؓ جب اپنے گھر آتے تو ان کے قلب میں یقین کی جو کیفیت آپ ﷺ کی صحبت میں ہوتی بدل جاتی؛ یہ انشراح و یقین سب اسی ملازمت نبی کا کرشمہ ہی تو تھا؛ (۳۵)

اس تربیت و صحبت کا اثر بعض صحابہ کرام پر تو عجیب حیرت انگیز طریقے سے ہوا، ان کی قوت استفادہ اتنی ترقی کر گئی کہ بعض مرتبہ نزول وحی سے پہلے ہی وہ بجلی کی طرح دور سے لپک لیا کرتے، کسی کو یہ خیال بھی نہ ہوتا کہ وحی الہی کا فیصلہ کل کیا ہوگا؟ مگر نور نبوت کے یہ تربیت یافتہ انوار صحبت سے لبریز مجلس میں بول اٹھتا اور جو وہ بولتا تمام وحی اسی کے موافق نازل ہو جاتی، صلاحیت و جواب رسی کی یہی وہ آخری منزل تھی جس کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ:

اگر نبوت کا دروازہ بند نہ ہو گیا ہوتا تو پھر خلعت اسکو پہنا دیا جاتا۔ (۳۶)

یہ وہی ہے جس کو دنیا فاروقؓ کے نام سے جانتی ہے، ”صحاح“ کی روایات میں تو موافقات عمر کی تعداد تین ہی بتائی گئی ہے؛ مگر موافقات عمر اس سے کہیں زیادہ ہیں۔ بہر حال اگر حضرت عمرؓ اس ماحول کے سوا قرآن کریم کا مطالعہ کہیں اور رہ کر کرتے تو کیا یہ صواب رسی، یہ توقد و تمیقظ اور یہ ذکا، ان کو میسر آتا؟!

اضطراب کے بعد سکون: دیکھئے! صلح حدیبیہ کا واقعہ ان کے اور دیگر صحابہ کرام کے لیے کتنا مشکل سبق تھا، فاتحانہ جرأت رکھتے ہوئے مفتوحانہ شرائط کو معقول سمجھنا اور ان کو قبول کر لینا کتنی کٹھن منزل تھی! پھر آپ کو بخوبی معلوم ہوگا کہ وحی الہی نازل ہوئی اور اس نے واقعہ کا نام ”فتح“ رکھا۔ نبی کریم ﷺ نے عمر فاروقؓ کو جو اس واقعہ میں سب سے زیادہ الجھن میں تھے بلایا اور وحی الہی پڑھ کر سنائی ہی تھی کہ ابھی ابھی کی وہ بے چینی اور اضطراب کہ طبیعت سنبھالے نہ سنبھلتی تھی اور اب صلح حدیبیہ کا فتح ہونا ان کی رگ و پے میں اتنا سا چکا تھا کہ تمام اضطراب و بے چینی کے بجائے سکون ہی سکون اور اطمینان ہی اطمینان تھا۔ (۳۷)

نبی کریم ﷺ کے حادثہ وفات نے جو ہجان ان کے سینہ میں برپا کر دیا تھا وہ اس سے ظاہر ہے کہ آپ ﷺ کی موت کا نام لینے والے کا جواب شمشیر سے دینا چاہتے تھے (۳۸) مگر حضرت ابو بکر صدیقؓ کا آیت ”وَمُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ“ پڑھنا تھا کہ یہ اور ان کے ساتھ بہت سے مدہوش صحابہ ہوش میں تھے (۳۹)، صحبت میں رہ کر جو علوم حاصل کیے جاتے ہیں ان میں اول تو شبہات پیدا نہیں ہوتے اور جو پیدا ہوتے ہیں وہ اسی طرح ظاہری و

باطنی اثرات سے کافور ہوتے رہتے ہیں۔

وعظوں سے؛ کتابوں سے؛ زر سے پیدا

دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

نئے فضلاء کی خدمت میں چند گزارشات! دورہ حدیث شریف کر کے آپ میں وہ صلاحیتیں پیدا ہو چکیں جنکی بدولت آپ علمی میدان میں چل سکتے ہیں، اس لئے علم میں نکھار پیدا کرنے کے مواقع سے فائدہ اٹھائیں، یہ کسی طرح مناسب نہیں کہ دورہ حدیث سے فارغ ہو کر ہمارے سامنے کوئی واضح ہدف نہ ہو اگر گناہوں کے اسباب اور ان کے پیدا کرنے والے بڑھ گئے، اہل کفر مضبوط اور اہل اسلام کمزور ہو چکے، اگر یہ ایک واقعہ ہے تو یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اہل علم کے فرائض، کام کرنے کے مواقع اور قربانی کے مطالبے بھی بڑھ چکے ہیں، حیران و سرگرداں ہونے کے بجائے اکابر کے ماضی پر نظر رکھیں! کس طرح علم و عمل کے نمونے بنے تھے، ہر باطل کے سامنے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بنے تھے، غلط نظریات، باطل افکار اور گمراہ عقیدوں پر کس طرح انہوں نے کاری ضربیں لگائیں؟

بنیادی صلاحیت: اگر آپ نے پورا سال حدیث پڑھ کر مناسبت پیدا کر لی ہے، آپ ذوق و شوق کی بنیاد پر چل سکتے ہیں، بیدار مغز ہیں، آپ کی استعداد صحیح عبارت خوانی، ترجمہ و مطلب فہمی سے کچھ اوپر ہے، فن اور شخصیت پر بھی آپ کسی قدر بول سکتے ہیں تو اپنی صلاحیتوں کو بڑھائیے، اس مبارک سلسلے کو جاری رکھیں اور کھرے کھوٹے کا فرق سمجھیں۔

البتہ عقیدہ کی درستگی اور اکابر سے عقیدت کے ساتھ مزاج میں اعتدال بھی ضروری ہے؛ کیونکہ علوم حدیث منتشر اور مشتت امور کا مجموعہ ہے، اصول فقہ کی طرح متعین محدود خطوط نہیں بلکہ اس کے خطوط اور مآخذ و مراجع وہ شخصیات اور ان کی آراء ہیں جو باہم مختلف مزاج اور جداگانہ اسلوب و انداز کے حامل تھے، پھر ان کا طبقہ اور زمانہ بھی ایک نہیں شہر و مسکن بھی الگ الگ ہیں۔

ایک ہی آدمی ایک جگہ تساہل اور حاطب اللیل کے نام سے یاد کیا جاتا ہے تو دوسری جگہ وہی معتبر خوالہ سمجھا جاتا ہے۔ کبھی ایک شخص بحر و چین کی صف میں نظر آتا ہے اور کبھی ثقاہت و عدالت کے منبر و مندر پر بٹھایا جاتا ہے، اس طرح کے مختلف فرق اور خصوصیات کو سمجھنا اور ہر شخص کے ساتھ موقع محل کے مطابق صحیح رویہ رکھنا؛ ایک معتدل مزاج، ارباب فن کا باہمی فرق سمجھنے والا اور اسلاف و اکابر کا عقیدت مند ہی کر سکتا ہے۔

یہ مٹی زر خیز ہے..... مذکورہ اوصاف کے حاملین کی تعداد کوئی کم نہیں مگر ان کی صحیح رہنمائی، نگرانی اور حوصلہ افزائی کرنے والوں کی البتہ ضرورت کی ہے، ان کی برق رفتار صلاحیتوں کو صرف جھٹکا دینے کی ضرورت ہے۔ ان کو مستقبل کے اہداف، کام کے مواقع، منزل کی راہ دکھانے اور اس کے لیے ضروری تیاری کر لینے کی گتھی سلجھانے کی

ضرورت ہے؛ تاکہ جب وہ عملی میدان میں اتریں تو ہر ایک ایک داعی، مبلغ اور قائد و مربی اور کتاب و سنت کا صحیح ترجمان بن کر سامنے آئے، کسی قسم کا خوف و دامن گیر نہ ہو، بلکہ سرمایہ علم و کمال اور اثاثہ سعادت و مال بہترین مستقبل کے اشاریے کی صورت میں ان کے سامنے موجود ہو اور ہر میدان میں لڑنے کے لیے ان کو اسباب و ہتھیار فراہم ہو۔

مولائے عظیم کی تقسیم ہے جس طرح رنگ و روپ اور مزاج و انداز، زبان و بیان میں فرق ہوتا ہے اسی طرح بنیادی صلاحیتوں میں بھی فرق ہوتا ہے، اساتذہ کرام جانتے ہیں کہ ان کے شاگردوں میں اچھی استعداد کے مالک کون ہیں؟ علماء راسخین، ربانین اور محققین کی صف میں جگہ پانے کی صلاحیت کس میں پائی جاتی ہے؟ کون مستقبل میں بہتر طور پر مرجع خلائق بن سکتا ہے؟ علمی مشکلات کی گتھیاں سلجھا سکتا ہے؟

اس کے لیے ظاہر ہے وقت صرف کرتا ہوگا، قربانی بڑھانی ہوگی، والدین اور رشتے داروں کو صبر کی تلقین کرنی ہوگی؛ تاکہ یہ نئے فضلاء بھی اکابر و اسلاف کی علمی امانتوں کے صحیح وارث اور جانشین قرار پاسکیں اور ان کی سنہری تاریخ میں ایک اور باب کا اضافہ کر سکیں۔

بجاء، کہ رات ہے، لیکن سحر کی آس تو ہے
خیال صبح بہاراں، علاج یاس تو ہے
کوئی نے نہ سنے ہم صدا لگائیں گے
قبول ہو، کہ نہ ہو، ان سے التماس تو ہے!

حوالہ جات:

- ۲۹۔ المدخل إلى علوم الحديث الشريف قديمی کتب خانہ صفحہ نمبر ۲۱۔
- ۳۰۔ المدخل إلى علوم الحديث الشريف، قديمی کتب خانہ، صفحہ نمبر ۲۲۔
- ۳۱۔ المدخل إلى علوم الحديث الشريف، قديمی کتب خانہ، صفحہ نمبر ۲۳۔
- ۳۲۔ المدخل إلى علوم الحديث الشريف، قديمی کتب خانہ، صفحہ نمبر ۲۴۔
- ۳۳۔ الموافقات للشاطبي،
- ۳۴۔ مسند الامام أحمد بن حنبل، رقم الحديث، (۶۵۱۱/۲) ۵۹۶۔
- ۳۵۔ فضائل أعمال (اردو) شيخ الحديث مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ، صفحہ نمبر ۴۰، کتب خانہ فیضی لاہور پاکستان۔
- ۳۶۔ مسند الامام أحمد بن حنبل، رقم الحديث، ۱۷۵۴۰، ۹۱۲/۵۔
- ۳۷۔ صحيح مسلم شريف ۱۰۶/۲، قديمی کتب خانہ۔
- ۳۸۔ المصنف لابن أبي شيبة (۸۲۳۵) ۵۶۹/۲۰ رقم الحديث (۳۸۱۹۱) کتاب المغازي، مکتبہ إدارة القرآن والعلوم الإسلامية، کراچی۔
- ۳۹۔ صحيح البخاری، (۶۴۰/۳) قديمی کتب خانہ۔